Article

Travalogue of Mahmood Nizami "NAZAR NAMA":Analytical Study

محمود نظامی کا سفر نامہ "نظر نامہ"۔۔۔۔تجزیاتی مطالعہ

Professor Dr. Muhammad Arshad Ovaisi*[1]
Chairman, Department of Urdu , Lahore Garision University, Lahore.
Wasim Arshad*[2]
Assistant Lecturer, Department of Urdu, Lahore Garrision University, Lahore.

[1] پروفیسر ڈاکٹر محمد ارشد اویسی
صدر شعبہ اردو، لاہور گیریژن یونیورسٹی، لاہور
[2] وسیم ارشد
اسسٹنٹ لیکچرار، شعبہ اردو، لاہور گیریژن یونیورسٹی، لاہور

Correspondance: drarshadovaisi@lgu.edu.pk

eISSN:**3005-3757**
pISSN: **3005-3765**

Received: 05-01-2024
Accepted:10-03-2024
Online:28-03-2024

Copyright:© 2023 by the authors. This is an access-openarticle distributed under the terms and conditions of the Creative Common Attribution (CC BY) license

ABSTRACT: Nazarnama reflects the great taste and literary style of Mahmood Nizami. This travelogue of Mahmood Nizami also seems to interpret his complete view of life and it is travelogue is a beautiful blend of ancient and modern, for example, like ancient travelogues, history has been given more importance in the travelogue. And like a modern travelogue, it offers a true tourism-specific observation and philosophy of life. Mahmood Nizami is the first formal step towards modern travelogue and the dimensions presented in it have paved the way for the upcoming travelogues and the interesting style of travelogue of today is the rarity of story and imagination. The initial appearance of the mixture can be clearly seen in the view. The language of Nazranama is not surprising. Beautiful words, vivid similes and elegant style make this travelogue a minimalist work. In this sense, "Nazarnama" is a valuable addition to

Urdu travelogues.

KEYWORDS: Mahmood Nizami , Nazar Nama, Radio Pakistan, Europe , Girja Ghar, Taravalogue, Literature, Genere, History, Poetry, Prose

سفر نامے اورافسانے میں روح اور جسم کا تعلق ہے۔ سفر منصوبہ بند ہو یا غیر ارادی، اُن ہی سفر ناموں کو شہرت دوام حاصل ہوتا ہے، جن میں تخلیقیت اور افسانویت ہو، محض تفریحی، سیاحتی یا صحافتی نقطہ نظر سے لکھے گئے اسفار کی شہرت کسی خاص وجہ سے تو ہو سکتی ہے مگر دیرپا نہیں ہوگی کیونکہ ان میں تخلیقی حرارت برائے نام ہوتی ہے مثلاً کوئی مشہور سیاح کسی خاص مقام کے سفر پر آتا ہے تو وہ وہاں کے مناظر فطرت، تاریخی، جغرافیائی، ثقافتی، سماجی اور عمرانی پہلو کے بیان پر اکتفا نہیں کرے گا مگر فنکار سفر نامہ نگار اپنے سفر نامے کے لیے افسانوی شدت کو بھی ابھارے گا۔ وہ صرف بیان نہیں بلکہ کہانی کا بیانیہ بھی تخلیق کرے گا، اور مذکورہ خطے کے ان قدیم مظاہر کو، جس کے قصے عوام میں مقبول ہوں گے۔ ان کو بھی کہانی میں پروئے گا اور اس میں ڈرامائیت اور تجسس کا عنصر بھی حد درجہ پیدا کرے گا۔

محمود نظامی نے یہ طریق کار جابجا اپنایا ہے اسی لیے ان کا سفر نامہ ہمیں مختلف معاشروں میں تہذیبی اور ثقافتی عناصر سے کچھ اس طرح سے متعارف کراتا ہے جیسے ان میں ہندوستانی دلوں کی دھڑکنیں قید ہو گئی ہوں۔

محمود نظامی کا ''نظر نامہ'' بیسویں صدی کے اس موڑ کی نشان دہی کرتا ہے۔ جہاں قدیم روایتی انداز سے صرف نظر کر کے فنی طور پر سفر نامے کو جدید دور کے تقاضوں سے ہم آہنگ کیا گیا۔ آزادی کے بعد سفر ناموں میں جدید روایت کو فروغ دینے کا سہرا محمود نظامی کے سفر نامے ''نظر نامہ'' کو جاتا ہے۔ اس لیے محمود نظامی کو جدید اردو سفر نامے کا موجد تسلیم کیا جاتا ہے۔ اس دور میں اردو سفر نامے کو ایک ادبی صنف کا مکمل درجہ حاصل ہوا اس لیے دور جدید میں محمود نظامی کے ''نظر نامہ'' کی اہمیت بڑھ جاتی ہے، اس سے قبل اردو سفر نامے کو ادب کا حصہ سمجھا جاتا تھا۔ مشفق خواجہ جمیل زبیری کی کتاب ''موسموں کا عکس'' میں اس طرح رقم ہے:

> ''ادب سے اس کا تعلق کچھ زیادہ پرانا نہیں ہے۔ گو پرانے زمانے میں ایسے سفر نامے لکھے گئے جنھیں ادب کا حصہ سمجھا جا سکتا ہے لیکن سفر نامے کو بطور ادبی صنف کے اس وقت قبول کیا گیا جب محمود نظامی کا نظر نامہ شائع ہوا۔''(۱)

سفر نامے کا شمار ادب کی بیانیہ اصناف میں ہوتا ہے اس صنف میں مشاہدے کا عمل دخل زیادہ اور تخلیق کا عنصر بے حد کم ہے۔ سفر نامہ چونکہ چشم دید واقعات و حالات کا بیانیہ ہوتا ہے اس لیے سفر اس کی بنیادی شرط ہے نظر نامہ کے بارے میں مولانا صلاح الدین فرماتے ہیں:

''کہنے کو تو یہ سفر نامہ ہے لیکن اصل میں یہ ان چند نادر تاثرات کا مجموعہ ہے
جو صاحب مضمون نے اپنی عمر کے مختلف حصوں میں اپنے وطن سے دور
دیار فرنگ کی جلوتوں اور خلوتوں میں قبول کیے۔''(۲)

نظر نامہ کو اس کی گوناگوں خصوصیات کی بناء پر منفرد کیا جاسکتا ہے کہ اس میں سفر نامے کی تمام تر رعنائیاں اپنے عروج پر دکھائی دیتی ہیں اور اسے ہر دور کے سفر نامہ نگاروں کے لیے ایک مکمل دستاویز کا درجہ بھی حاصل ہے۔ محمود نظامی دوران سفر کے ہر منظر، پس منظر اور جغرافیائی پیش منظر کو نہ صرف خوب صورتی سے بیان کرتے ہیں بلکہ ان کے اسلوب کی چاشنی کے حسن میں چار چاند لگا دیتی ہے۔ نظر نامہ کے ادبی معیار کے بارے میں محمود نظامی لکھتے ہیں:

''سیاحت میرا مستقل مشغلہ ہے نہ سفر نامے لکھنا مقصد حیات۔ یہ تو ایک
اتفاق تھا کہ اکتوبر ۱۹۵۲ء میں مجھ کو زندگی کا بیشتر حصہ گھر کی چار دیواری
میں بسر کر چکنے کے بعد باہر نکلنے کا موقع ہاتھ آ گیا۔''(۳)

محمود نظامی کا یہ کہنا واضح کرتا ہے کہ وہ کوئی باقاعدہ ادیب نہ تھے۔ اور نہ نظر نامہ سے پہلے ان کی کوئی ادبی کاوش منظر عام پر آئی تھی۔ وہ ریڈیو کے ملازم تھے اور ۱۹۴۰ء میں انھوں نے آل انڈیا ریڈیو کے فرائض منصبی سنبھالے۔ پاکستان میں انھوں نے ریڈیو پاکستان کے ڈپٹی ڈائریکٹر جنرل کے عہدے تک ترقی کی۔ اپنے فرائض منصبی کے سلسلے میں اکتوبر ۱۹۵۲ء کو اقوام متحدہ کے ادارے یونیسکو کے زیر اہتمام دوسرے ملکوں کی نشر گاہوں کا جائزہ لینے کے لیے ملک سے باہر جانے کا موقع ملا۔ ۲۲ اکتوبر ۱۹۵۲ء کو انھوں نے اپنے سفر کا آغاز راولپنڈی سے کیا۔ مصر، لبنان، اٹلی، سوئٹزرلینڈ، فرانس، برطانیہ، یو ایس اے، کینیڈا، جزائر، بہاما، کیوبا اور میکسیکو سے ہوتے ہوئے وہ ۲۴ اپریل ۱۹۵۳ء کو واپس کراچی پہنچے۔ چونکہ وہ ادب کا عمدہ ذوق رکھتے تھے۔ اس لیے انھوں نے اپنے تجربوں اور مشاہدوں کو نظر نامہ کا نام دے کر خوب داد سمیٹی۔

نظامی کا اصل نام مرزا محمود بیگ تھا۔ وہ زمانہ طالب علمی ہی سے خواجہ حسن نظامی سے بہت متاثر تھے۔ ایک دفعہ اپنے والد کے ساتھ خواجہ صاحب کی خدمت میں قدم بوسی کے لیے گئے تو خواجہ صاحب ان کی ذہانت اور صلاحیت سے بہت متاثر ہوئے اور انھیں اپنی کتابیں دیتے ہوئے کہا کہ ''صاحبزادے آج سے تم نظامی ہو'' محمود بیگ نے اس نسبت کو بڑے کھلے دل اور فخر سے قبول کیا اور مرزا محمود بیگ کی بجائے محمود نظامی کہلانے لگے۔

یہ سفر محمود نظامی نے ایک خاص سرکاری مقصد کے تحت کیا جو ان کی ڈیوٹی کا حصہ تھا جو کہ اُن کی ڈیوٹی کا حصہ تھا کہ تحت کیا۔ دوران سفر انھوں نے جس چیز کو جیسے محسوس کیا دوستوں کے اصرار پر قلم بند کر دیا۔ یہ سفر گو ایک خاص مقصد کے تحت کیا گیا لیکن اس سفر نامے کو انھوں نے ایک افسانے سے زیادہ دل چسپ بنانے میں کاوشیں بھی کی ہیں۔ وہ اپنے سفر کے دوران سامنے کے مناظر کو جس رومانوی نقطہ نظر سے دیکھتے ہیں اس سے سفر کا لطف و مزا دوبالا ہو جاتا ہے مثلاً اٹلی کے شہر وینس (Venice) جہاں مکانوں کے درمیان گلیاں نہیں نہریں بہتی ہیں۔ وہاں رات کی مہیب تاریکی میں بھی محمود نظامی کی عمیق نگاہ حسن کو تلاش کیے بنا نہیں رہتی وہ کہتے ہیں:

''وینس کے حسن کا تعلق برقی قمقموں اور تیز روشنی سے نہیں بلکہ اس تاریکی سے ہے جو شام کے دھندلکے کے ساتھ ہی وینس کی نہروں میں اترنا شروع ہو جاتی ہے اس تاریکی کا گہرا پن وینس کے حسین چہرے کو اس طرح پر کشش بنا دیتا ہے جس طرح بعض اوقات سیاہ پلکوں میں لپٹی ہوئی شفاف آنکھوں کا حسن کاجل کی سیاہی سے ابھر آتا ہے۔ وینس کے کئی علاقے رات کو اسی حسن افروز تاریکی میں لپٹے ہوئے مجھے بے پناہ طور پر دلفریب دکھائی دیئے۔ سیاہی حسن کا کس قدر ضروری جز ہے اس کی تفصیل رات کی تاریکی میں وینس کی تاریک گلیاں ہی بتا سکتی ہیں۔''(۴)

محمود نظامی کا اظہار بیان اس قدر شگفتہ اور دل چسپ ہے کہ قاری پڑھتے ہوئے بوجھل پن اور بوریت کا شکار نہیں ہوتا۔ یہ کہنا بے جانہ ہو گا کہ 'نظر نامہ' نمونہ سفر نہیں بلکہ اپنے رومانوی طرز فکر و اظہار کے سبب اکتساب مسرت کا اہم ذریعہ ہے کسی بھی منظر کو اتنے دل کش انداز میں بیان کرنا سفر نامہ نگار کی اہم خوبی تسلیم کی جاتی ہے۔ محمود نظامی کمال مہارت و خوب صورتی سے نادر تشبیہات سے کام لے کر قاری کے ذہن کو اپنے مشاہدات کے قریب پہنچا دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر ملاحظہ کریں کہ انھوں نے ایک عظیم سنگی فوارے کو کس طرح تمثیلاً بیان کیا ہے۔ ذرا تشبیہات کی ندرت دیکھیے:

''برقی قمقموں کی شفاف روشنی میں ایک عظیم الشان سنگی فوارہ پانی کے ایک دودھیا سپید دھارے کو بیس پچیس فٹ یوں اونچا پھینک رہا تھا۔ گویا آتش بازی کے کسی بہت بڑے انار کو کسی نے دیا سلائی دکھا دی ہے۔ اور اس کے تابناک دہانے سے پگھلی ہوئی چاندی کا ایک ستون آسمان کو چھونے کے لیے تڑپ رہا ہے۔''(۵)

تشبیہات کے ذریعے مناظر کی ایسی تصویر کشی قاری کے ذہن پر دیرپا اثرات چھوڑتی ہے۔ محمود نظامی نے یورپ کی تہذیب و معاشرت کو دیکھا، وہاں کے رسم و رواج لوگوں کی عادات، وہاں کی تہذیب و معاشرت کا بغور مشاہدہ کیا اور آداب محفل غرض یہ کہ جزئیات کو چن چن کر نظر نامہ میں پیش کیا ہے۔ مثال کے طور پر اطالوی باشندے کس طرح اپنے مہمان کو الوداع کہتے ہیں:

''ہماری کار فراٹے بھرتی ہوئی ان میں سے گزری تو میں نے دیکھا کہ ان میں سے جو بھی ہماری جانب دیکھتا وہ مسرت سے ہوا میں ہاتھ لہرا لہرا کو ایک اطالوی لفظ ''چاؤ'' بے اختیار زبان پر لے آتا۔ اشفاق احمد نے اس جامع اور معنی پرور لفظ کا ترجمہ یوں کیا ''مجھے اپنا غلام سمجھے'' اور اس کی تفسیر یہ کہ

اطالوی مجلسی آداب کے مطابق یہ لفظ اس وقت ادا کیا جاتا ہے جب مہمان
کو الوداع کیا جاتا ہے۔''(۶)

مقامات سیاحت کو اپنے نظریات کی رو سے دیکھنے اور پرکھنے کی کوشش کرتے ہیں اور جس چیز کو بیان کرنا ہوتا ہے اسے اپنے مشاہدے اور منظر نگاری کی صلاحیتوں سے بخوبی صفحہ قرطاس پر اُتارتے ہیں وہ ہر منظر سے مکمل طور پر لطف اندوز بھی ہوتے ہیں اور اس میں شامل بھی۔ یہی وجہ ہے کہ وہ جہاں مقامات سیاحت کو دل چسپی اور توجہ سے دیکھتے ہیں وہیں ان کی عمیق نگاہیں جزئیات کو بھی پیش نظر رکھتی ہیں۔ وہ قابل دید مناظر کا بھرپور مشاہدہ کرتے ہیں اور اس کے چھوٹے چھوٹے پہلوؤں کو بھی اہمیت دیئے بغیر نہیں رہتے مثلاً جہاز کی روانگی کے بارے میں وہ صرف یہ بھی کہہ سکتے تھے کہ جہاز اپنی منزل مقصود کی جانب روانہ ہو گیا۔ انھوں نے اس کی روانگی کی جزئیات کو بڑے مفصل انداز میں ہمارے سامنے کچھ اس طرح پیش کیا ہے:

''آخر مشینوں میں زندگی کی گڑگڑاہٹ پیدا ہوئی، پنکھوں نے شور مچانا
شروع کر دیا۔ جہاز میں حرکت ہوئی اور چند ساعتوں میں ہم آسمان اور کرہ
ارض کے درمیان فضا میں جیسے معلق ہو گئے۔''(۷)

محمود نظامی کے ہاں بھی ناسٹلجیا کی جھلک موجود ہے۔ محمود نظامی صرف ماضی کے تناظر میں نہیں دیکھتا ہے بلکہ وہ خود اپنے آپ کو ماضی کے تصورات میں گم ہوا پاتا ہے۔ نظر نامہ میں ماضی کی بازیافت کو تلاش کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور اس کی مثالیں سفر نامے میں جابجا ملتی ہیں۔ انھوں نے ناسٹلجیا اور فلیش بیک کی تکنیک کو استعمال کر کے خارجی حقیقت نگاری کی ایک مثال پیش کی ہے۔

اس سفر نامے کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ سفر نامہ نگار نے مقامات سیاحت کے تاثرات اور اپنے تاریخی شعور کا استعمال کر کے سفر نامہ تحریر کیا۔ حقیقت میں یہ سفر نامہ برائے نام سفر نامہ ہے اس میں تخیل کا عمل دخل زیادہ ہے۔ سفر نامہ نگار حقیقی دنیا کی بجائے خیالی دنیا میں زیادہ دکھائی دیتا ہے اور پھر اس منظر کو تاریخ کے ساتھ جوڑ کر پیش کرتا ہے۔

دریائے نیل کے پانی کو دیکھ کر حضرت موسیٰ کا بچپن دکھائی دیتا ہے اور وہ یوں محسوس کرتے ہیں۔ گویا جب یہ واقعہ پیش آیا تو وہ سب اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے وہ ہر منظر کی تصویر قاری کے سامنے اس طرح سے پیش کرتے ہیں کہ سارا منظر آنکھوں کے سامنے گھوم جاتا ہے جب حضرت موسیٰ کھیلتے ہوئے موتی کو پکڑنے کی کوشش میں فرعون کی داڑھی کے بال کھینچتے ہیں تو فرعون ان کے قتل کا حکم دیتا ہے لیکن حضرت آسیہ کے کہنے پر قتل کی بجائے امتحان لینے کی منظر کشی ان الفاظ میں کرتے ہیں:

''اور سب درباری دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ کبھی انگاروں کو اور کبھی
موسیٰ کو دیکھ رہے ہیں اور پھر آسیہ کے لبوں سے بے اختیار ایک چیخ نکل گئی
ہے۔ کیونکہ بچے نے ٹمک کر آنکھ جھپکتے میں ایک انگارا اٹھا کر منہ میں ڈال

لیا ہے۔ بلکہ بچے کی بلبلاہٹ کے ساتھ خود تڑپ اٹھی ہے اور اس نے لپک کر یہ انگارہ درد سے چلاتے ہوئے بچے کے منہ سے انگلی ڈال کر اگلوا دیا ہے۔ (۸)''

محمود نظامی جابجا یورپ کا مشرق سے موازانہ کرتے دکھائی دیتے ہیں وہ یورپ کے جس شہر بھی جاتے ہیں انھیں مشرق کی مثال کے لیے لاہور سے بڑھ کر کوئی شہر نظر نہیں آتا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ لاہور کے ساتھ اُن کی ذاتی وابستگی اور انسیت کس قدر ہے یہی وجہ ہے کہ وینس میں گھومتے ہوئے نہر کے پانی کی بو انھیں لاہور کی یاد دلا جاتی ہے اس ضمن میں اقتباس ملاحظہ کیجیے:

''وینس میں بعض لوگوں کو نہروں کے بند بند نیلے پانی سے بو آتی ہے۔ انھیں اس تعفن سے یوں محسوس ہوتا ہے گویا ان پانیوں کے نیچے ہزاروں گلی سڑی مچھلیاں پڑی ہیں۔ جنھوں نے پانی کو خراب اور فضا کو مکدر کر رکھا ہے۔ مگر مجھے ان پانیوں میں سے ہر جگہ وہی پرور اور وہی جاں نواز خوشبو آئی تھی جو دریائے راوی کے مغربی کنارے پر کامران کی بارہ دری کے قریب اِن مٹیالے ساکت پانیوں سے آیا کرتی ہے۔ جو بارہ دری سے تھوڑی دور نچلی طرف کو دور خشکی کے اندر کھجوروں کے تاریک جھنڈ تک چلے گئے ہیں۔''(۹)

محمود نظامی کو دیار غیر میں وطن کی یاد رہ رہ کر ستاتی ہے۔ دیار غیر میں وطن کو یاد کرنے کا کوئی موقع وہ ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ چاہے وہ بازار کی پر رونق اور پر ہجوم گلیاں ہو یا پیڑوں کی ٹہنیاں دار شگوفے دار پھلوں سے لدی ہوئی مثال ملاحظہ ہو:

''اس دن پکاڈلی کی گہما گہمی ریجنٹ سٹریٹ کی رونق اور آکسفورڈ سرکس کا شور و شغف مجھے اپنے حسن اور دلفریبی کی تمام جزئیات کے ساتھ پہلی مرتبہ ایسا بھلا معلوم ہوا کہ میں دبی زبان سے یہ تسلیم کیے بغیر نہ رہ سکا۔ کہ لاہور لاکھ انتخاب شش جہات سہی۔ اس شہر میں بھی کچھ کچھ اسی کا سا رنگ نظر آتا ہے۔ میں نے بازاروں میں سے گزرتے ہوئے ان پیڑوں پر نظر ڈالی۔ جس کی ٹہنیاں شگوفوں اور پھولوں سے لدی ہوئی آمدِ بہار کا مژدہ دے رہی تھیں۔ اور مجھے محسوس ہوا کہ لاہور کے باغات کے حسن بے پایاں کا ہلکا سا پرتو یہاں بھی موجود تھا اور جب میں نے بازاروں اور گلیوں میں پیدل چلتے ہوئے لوگوں کو ایک نظر پھر سے دیکھا تو وہ مجھے یوں دکھائی

دیئے۔ گویا یہ بالکل ہی بے جان انسانوں کے انبوہ نہیں بلکہ ان کے چہروں پر بھی حیات کی اس رونق کا خال خال نقشہ نظر آتا ہے جو میرے وطن کے لوگوں سے مخصوص ہے۔''(۱۰)

روم کے ہوائی اڈے پر وقت گزاری کے لیے محمود نظامی قہوہ خانہ میں کافی پینے کے لیے زوبی اور اشتیاق احمد کے ہمراہ قہوہ خانہ کی صفائی ستھرائی سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتے مگر اگلے ہی لمحے جیسے ہی قہوہ کی پیالیاں ان کی میز پر رکھی جاتی ہیں تو مارے استعجاب اور تحیر کے ان کا منہ کھلے کا کھلا رہ جاتا ہے رومی باشندوں اور اپنے ہم وطنوں میں جو مماثلت دیکھتے ہیں اس کا ذکر بھی بڑے پُر لطف انداز میں کرتے ہیں:

''جیسے ہی قہوے کی پیالیاں ہماری میز پر رکھی گئیں۔ قہوہ خانہ کی صفائی اور پاکیزگی کے باوجود بھنبھناتی ہوئی مکھیوں کے ایک خوفناک لشکر نے ہم پر یلغار کر دی۔ نہ جانے یہ مکھیاں کہاں سے ہم پر ٹوٹ پڑیں۔ مگر اس جانی پہچانی چیز کو دیکھ کر ایک گونہ اطمینان ہوا۔ اور مجھے یوں محسوس ہونے لگا۔ گویا اس وقت روم کے قہوہ خانہ میں نہیں بلکہ راولپنڈی کے راجہ بازار کی کس دوکان پر کھڑا گنڈیریاں خرید رہا ہوں۔''(۱۱)

وطن سے محبت ایک فطری جذبہ ہے جو کسی بھی محب وطن کو دیار غیر میں چین نہیں لینے دیتا ''نظر نامہ'' میں محمود نظامی کچھ ایسے ہی جذبات کی عکاسی کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ محمود نظامی ایک محب وطن انسان تھے جو کسی بھی لمحہ وطن کی یاد اپنے ذہن و دل سے محو نہیں ہونے دیتے روم میں سیاحت کے دوران ان کو ہر طرف اپنا ہی وطن یاد آتا ہے۔ چاہے وہ روم کے بازار ہوں یا وہاں کے لوگوں کی عادات و اطوار ہر ایک میں انھیں اپنے وطن کی یاد ہی ستاتی ہے۔ اقتباس ملاحظہ ہو:

''بلکہ جب میں ہوائی اڈے کے ایک حصے سے نکل کر دوسرے حصے کی طرف جا رہا تھا۔ تو میری ٹیکسی راستے میں کچھ ایسے باغیچوں اور کوٹھیوں کے سامنے سے ہو کر گزری جن کو دیکھ کر مجھے ایک ساعت کے لیے یوں محسوس ہوا۔ گویا میں روم میں نہیں لاہور میں ہوں۔ اور میری گاڑی لارنس روڈ پر سے گزر کر ریس کورس روڈ کے اس حصے پر چل رہی ہے۔ جو گالف روڈ کے دہانے سے جا ملتا ہے۔''(۱۲)

محمود نظامی نے ''نظر نامہ'' میں یورپی تہذیب و معاشرت کی عکاسی کے ساتھ ساتھ رومی تہذیب کا بھی عہد بہ عہد جائزہ لیا ہے اور روم میں ہونے والی ترقی کی جھلک بھی دکھائی ہے سفر نامے میں رومی حمام مرکزی اور تاریخی اہمیت کے حامل ہونے کے ساتھ ساتھ سماجی میل جول کی بھی ایک اہم کڑی معلوم ہوتے ہیں۔ محمود نظامی روم کے تاریخی حماموں کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں:

''رومن تہذیب میں یہ حمام عوام کی زندگی کا کس قدر اہم جزو تھے۔ یہی وجہ تھی کہ روم کے حکمران نت نئے ڈھب اور نئی نئی جگہوں پر حمام بنوانے کی فکر میں رہتے، آج بھی نیرو، تائیتس، تراجن، کراگلا، دیوکلشین اور دوسرے شہنشاہوں کے بنائے ہوئے حماموں کے آثار ان کی اصل عمارات کی عظمت کی یاد تازہ کرتے ہیں۔ ایک دیوکلیشن ہی کے حمام جن کے حصے میں اب سانتا ماریا کا خوبصورت گرجا تعمیر ہے، ساڑھے تین ہزار سے زائد نہانے والوں کے لیے تعمیر کیے گئے تھے...ان حماموں میں بڑے بڑے ہال کھیلوں کے لیے، کھلے صحن، موسیقی کے کمرے، تفریح گاہیں، کتاب خانے اور کئی قسم کے حجرے تعمیر تھے اور پھر ان کے گرداگرد خوبصورت باغات ہوا کرتے تھے۔ جہاں پھلدار درختوں کے سائے میں مرمریں مجسمے اور عطر بیز پھولوں کے تختوں کے وسط میں سنگی فوارے اپنی بہار دکھاتے، یہاں ضیافتوں کا اہتمام ہوتا۔''(۱۳)

محمود نظامی جب منظر نگاری کرتے ہیں تو اس میں شاعرانہ ماحول بندھ جاتا ہے۔ دل کش اور خوب صورت الفاظ کا استعمال ہوتا ہے۔ ان میں یہ ہنر ہے کوٹ کوٹ کر بھرا ہے کہ حسن جہاں بھی نظر آئے اور جس رنگ میں نظر آئے محمود نظامی کی توجہ کا مرکز ضرور بن جاتا ہے۔ بارش برسنے کے منظر کو وہ کچھ یوں بیان کرتے ہیں:

''کار کی روشنی کے سامنے بارش کا پانی جھالر بن کر آسمان سے زمین پر معلق نظر آرہا تھا۔ میں سوچنے لگا کہ گلابی جاڑے کے اس سمے میں لاہور کتنا حسین ہوتا ہے۔ شام کے وقت اس کے بازار اور گلیاں، باغات اور پارک کس قدر زندہ اور جاندار ہوتے ہیں۔ وطن کا خیال آتے ہی میرے کانوں میں موچی دروازے کے پل پر پنجابی بیت بازی، دودھ کی دوکانوں پر بے فکروں کی خوش گپیاں۔ گنڈیری اور ریوڑی فروشوں کی خوش آئند صدائیں، تانگے والوں کے مخصوص نعرے گونجنے لگے۔ اور دل اس پر ہول فکر میں ڈوب گیا کہ آئندہ پانچ سال کے طویل عرصہ میں اسّی لاکھ انسانوں کی اس انجانی آبادی کے بھیانک ویرانے میں کس طرح بسر کر سکوں گا۔''(۱۴)

محمود نظامی کو اپنے وطن سے اور اسلام سے بہت محبت ہے انھوں نے اپنے سفر نامے کے توسط سے اسلامی تاریخ کے مسخ حقائق اور اسلام سے منسوب غلط واقعات کی درستی کو اپنا فرض سمجھا۔

محمود نظامی کسی بھی منظر کی صرف تصویر پیش نہیں کرتے بلکہ وہ منظر سے متعلق ایسی فضا قائم کر دیتے ہیں کہ قاری اس منظر میں کھو جاتا ہے اور وہ منظر اپنے مشاہدہ کی بنیاد پر نہیں بلکہ تخیل کی مدد سے پیش کرتے ہیں۔ مصر کی کنیزوں کے بارے میں کچھ اس طرح رقم طراز ہیں:

> ''بجرے کے کناروں پر مصر کی پری چہری کنیزیں جن کے متناسب اجسام کا حسن اُن کے باریک ریشمی ملبوسات سے چھن چھن کر باہر نکل رہا تھا۔ چاندی کے پتوار ہاتھوں میں لیے دف اور تاش کی ایک دلفریب تال پر پانی کو کھ رہی ہیں۔ بجرے کے پچھلے حصے پر ایک سنہری شامیانہ زری اور موتیوں کی جھالر کا ان جگمگ جگمگ کرتے جڑاو آستادوں پر کھڑا ہے جن کا بالائی حصے پر سرخ ریشم کے لطیف پردے نسیم سحر کے جھونکوں سے دف کی تال پر اپنا سر دھن رہے ہیں۔ اس شامیانے کے نیچے آنکھوں میں ٹھنڈک اور دل میں تراوٹ پیدا کرنے والے رنگوں کے مکلف فرش لگے ہیں۔''(۱۵)

محمود نظامی کا'' نظر نامہ'' عہد جدید کا منفرد پر توہے۔ انھوں نے روایتی انداز میں لکھے گئے اردو سفر ناموں کی تقلید نہیں کی بلکہ اپنے لیے ایک نیاراستہ ڈھونڈ نکالا ہے۔ ہر سفر نامہ نگار اپنے طور پر سفر کی روداد بیان کرتا ہے کسی کے یہاں مشاہدات اور محسوسات کا بیانیہ زیادہ ہوتا ہے تو کسی نے تاریخی و جغرافیائی معلومات پر زیادہ زور دیا ہے لیکن محمود نظامی کا نظر نامہ ان سب کا حسین امتزاج معلوم ہے۔ محمود نظامی نے مناظر فطرت کو کیمرے کی آنکھ سے دیکھنے کی بجائے بصیرت کی آنکھ سے دیکھا ہے کیمرے کی آنکھ اور ایک عام گوشت پوست کے انسان کی آنکھ میں واضح فرق انسانی جذبات و احساسات ہیں جس کی وجہ سے سفر نامہ نگار ظاہری سفر کے ساتھ ساتھ باطنی سفر بھی طے کرتا ہے یہ باطنی سفر اسے کبھی ان جھروکوں میں لے جاتا ہے جہاں سے وہ تاریخی مناظر کو پیش منظر کے طور پر رقصاں محسوس کرنے لگتا ہے۔ نظر نامے میں تاریخی پس منظر کی ایسی کئی تصاویر دیکھنے کو ملتی ہیں۔ مثال کے طور پر محمود نظامی جب مصر میں فراعنہ کے اہرام دیکھتے ہیں تو تصور کی آنکھ سے ان تمام مزدوروں اور محنت کشوں کو چلتا پھرتا دیکھنے لگتے ہیں جنھوں نے اہرام مصر کی تعمیر میں اپنی قیمتی جانوں کا نذرانہ پیش کیا تو اس منظر کو قاری کے سامنے اس انداز میں پیش کرتے ہیں گویا ماضی کی مکمل تصویر حال میں چلتی پھرتی نظر آتی ہے۔ تصویر کی جھلک ملاحظہ ہو:

> ''اور پھر میرے چشم تصور کے سامنے وہ تمام انسان جو چھ ہزار برس قبل اس عمارت کی تعمیر پر مامور تھے۔ زندہ اور متحرک نظر آنے لگے۔ غربت و افلاس اور محنت و مشقت کے مارے ہوئے سیاہ فام ننگ دھڑک مزدوروں اور غلاموں کی بیبیوں لمبی لمبی قطاریں تھیں جو آگ برسانے والے سورج کی جھلستی ہوئی شعاعوں کے نیچے تپتی ہوئی ریت پر پسینے سے شرابور، تھکن

سے چور، زخموں سے نڈھال سنگ خارا کے بڑے بڑے ٹکڑوں کو رسوں اور
زنجیروں کی مدد سے کچکچاتے ہوئے دانتوں اور مشقت سے پھولی ہوئی رگوں
کے ساتھ کنارۂ نیل سے جانب صحرا گھسیٹ رہے تھے... اور لڑکھڑا کر اٹھنے
کی کوشش میں دم توڑ رہے تھے۔"(۱۶)

جہاز جب اپنے قاہرہ میں پہنچنے کی خبر سناتا ہے تو محمود نظامی پھر سے خیالی دنیا میں کھو جاتے ہیں جو اُن کے تخیل نے داستانوں کی بناء پر تخلیق کیا تھا اور وہ شہر کی فصیل کے نیچے پھاٹک پر جا کھڑے ہوتے ہیں۔ داستان باغ و بہار کے پہلے درویش کی طرح اس فصیل پر صبح صادق تک انتظار کرنا پڑتا ہے اور صبح صادق ہوتے ہی محافظ دروازہ کھولتے ہیں تو مصنف اپنے آپ کو الف لیلیٰ کے داستانوی شہر کے سامنے پاتا ہے۔ اقتباس ملاحظہ کیجیے:

"اذان گونجے گی۔ مرغ بولے گا۔ آدمیوں کی آواز آئے گی اور آخر کار
چابیوں کے گچھے کی جھنکار ہو گی۔ پھر بھاری قفل کے کھڑکھڑانے کا شور سنائی
دے گا۔ اور دیو قامت دروازے کے اونچے پٹ کی تنومند حبشی غلام ایک
مہیب چرچراہٹ کے ساتھ پیچھے کو دھکیلتے ہوئے لے جائیں گے۔ پھر ایک
سیاہ فام موٹا تازہ لمبا تڑنگا خواجہ سرا ناف تک ننگا پنجے بڑے گھیر کا ریشمیں
پاجامہ پہنے پاؤں کا مدانی جوتا ڈالے کمر میں کنجیاں لٹکائے، سنہری عصا ہاتھ
میں لیے خدمت گاروں کی معیت میں شہر پناہ کے دروازے سے خراماں
خراماں باہر آئے گا۔"(۱۷)

واقعات کا چناؤ اور ان کے بیان میں توازن ان کا خاصا ہے جو قاری کو متاثر کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ نظامی جہاں سفری واقعات کو خوب صورت انداز میں پیش کرتے ہیں اور لفظوں کے ذریعے صفحہ قرطاس پر اتارتے ہیں وہاں وہ نہایت چابکدستی کے ساتھ وہ صرف چیزوں کا ہی موازنہ نہیں کرتے بلکہ مشرق و مغرب کے حال اور ماضی کا بھی واضح فرق ظاہر کرتے ہیں یورپ کے ماضی اور حال کا تقابل کرتے ہوئے ان کی کیفیت وہی ہو جاتی ہے جیسے کسی بچے کے سامنے داستان کی کتاب کا کوئی ورق اچانک کھل جائے اور وہ اسے انہماک، حیرت اور دل چسپی کے ملے جُلے جذبات کے ساتھ پڑھنا شروع کر دے ہوائی جہاز کے اڈے پر اُترنے کی عکاسی وہ درج ذیل الفاظ میں کرتے ہیں:

"روم کے نواح کے پہاڑ، وادیاں، دریا، سمندر، خود روم کی حسین بندرگاہ،
فلک بوس گرجے، سنگین محلات، ہیبت آور قدیم مندر یوں یوں دکھائی
دیتے تھے، جیسے کسی چابکدست صناع نے انھیں ایک خاص التزام کے ساتھ
ایک ہی تختے پر اکٹھا کر دیا ہے۔ جوں جوں ہوائی جہاز چمپینیو ہوائی اڈے کا
چکر کاٹ کر نیچے اتر رہا تھا، روم جو کسی زمانے میں ساری مہذب دنیا کا صدر

مقام تھا اور آج بھی یورپی تاریخ کا ایک انمول خزینہ ہے، اپنی سابقہ عظمت
کی داستان اور اپنی موجودہ اہمیت کو اور بھی بلند آہنگی سے دہرا رہا تھا۔''(۱۸)

محمود نظامی نے اپنے سفر نامے میں یورپ کے لوگوں کے مشاغل، عادات و اطوار، لباس، مزاج غرض یہ کہ سب کچھ بڑے جامع انداز میں پیش کیا ہے۔ سفر نامہ نگار کو بھی یورپ کی رنگینیوں سے لطف اندوز ہونے کا بھرپور موقع ملا اور وہ وہاں کے جگمگاتے بازاروں، ہوٹلوں اور نائٹ کلبوں کا ذکر اس عمدہ انداز میں کرتے ہیں کہ قارئین بھی نائٹ کلبوں کی رونقوں میں ان کے ساتھ شریک ہو جاتے ہیں اور قاری تک ان کی رسائی بڑی آسانی سے ہو جاتی ہے۔ نائٹ کلب کا نقشہ وہ ان الفاظ میں کھینچتے ہیں:

''ایک ایسے وسیع مگر نیم روشن کمرے میں پہنچے جس میں تقریباً سو ایک
عورتیں اور مرد ایک دوسرے سے گفتگو میں مصروف تھے۔ کمرے کی
تاریکی کو سگریٹ کے کثیف دھوئیں نے اور بھی پر اسرار کر دیا تھا۔ شراب
کی بو اور عطریات کی مہک کے عجیب و غریب امتزاج سے فضا بوجھل ہو رہی
تھی۔ گلاسوں کی کھنک، باتوں کے شور اور قہقہوں کی گونج نے مل جل کر
ماحول کو حد درجہ جاندار بنا رکھا تھا۔ کرسیوں کے بعد جو جگہ فرش پر بچ رہی
تھی۔ اس پر نوجوان عورتیں اور مرد جن میں سے اکثر کی عمر بمشکل سنِ
بلوغت کو پہنچی تھی بیٹھے تھے یا نیم دراز پڑے تھے۔''(۱۹)

محمود نظامی نے جہاں پیرس کی متحرک زندگی اور پیرس کی معاشرت کے مثبت پہلوؤں کو بیان کیا ہے وہاں انھوں نے منفی پہلوؤں کی بھی نشاندہی کی ہے۔ ہم مشرقی لوگ جن چیزوں کو برا تصور کرتے ہیں وہ انگریزوں کے ہاں قدر کی اہمیت رکھتی ہیں۔ نائٹ کلب میں رقص و سرور کو وہ ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

''سارا مجمع ایک ہنگامہ آفریں رقص میں ایک دوسرے سے گتھ گیا۔ تھوڑے
عرصے میں آرکسٹرا کی لے آہستہ آہستہ تیز تر ہوتی چلی جا رہی تھی۔ اور اس
کی ضرب پر تمام حاضرین یوں تھرک رہے تھے۔ گویا ان پر کسی نے جادو
کر دیا ہے۔ اور انھیں اپنے تن بدن کی ہوش نہیں رہی۔ آرکسٹرا کی ہیجان
انگیز دھن، تڑپتے ہوئے قدموں کا شور، تھرکتے ہوئے اجسام کا ہنگامہ مل
جل کر ایک ایسی صورت اختیار کر گیا کہ کمرے کی تمام کائنات رقص کرتی
ہوئی نظر آنے لگی۔''(۲۰)

یورپ جس قدر باہر سے خوب صورت، شفاف، مہذب اور تعلیم یافتہ ہے اسی قدر اندر سے بد صورت، غلیظ، غیر مہذب اور اخلاق باختہ ہے۔ وہاں برائی کو برائی ہی نہیں سمجھا جاتا وہ لوگ مادی اور جسمانی آسائشوں کو ہی حقیقی خیال کرتے ہیں۔

محمود نظامی اس کھوکھلی اور رنگین دنیا کی دلفریبی میں خود کو ہچکولے کھاتا ہوا محسوس کرتے ہیں اور جیسا محسوس کرتے ہیں ویسا ہی بیان کرنے میں کسی قسم کا عار محسوس نہیں کرتے لکھتے ہیں:

"میرے سامنے کی دنیا کس قدر کھوکھلی کس قدر غیر وقیع، کس قدر اسفل
تھی۔ جہاں حیات محض نام تھا۔ سگریٹ کے دھوئیں، شراب کے نشے،
عورت کے جمال، گپ بازی اور خوش وقتی کا۔"(۲۱)

محمود نظامی نے اپنے سفر نامے میں کہیں افسانوی اسلوب، کہیں واقعہ نگاری اور کہیں تاریخ نگاری کا سہارا لے کر انھیں امر بنا دیا ہے۔ محمود نظامی کے مشاہدے میں گہرائی اور نثر میں دل کشی ہے جس کی وجہ سے ان کا سفر نامہ بلیغ ادبی فن پارے میں تبدیل ہو چکا ہے۔

محمود نظامی کا نام سفر نامہ نگاروں میں منفرد مقام کا حامل ہے۔ بعض ناقدین کے نزدیک انھیں جدید سفر نامہ کا موجد بھی کہا جاتا ہے ان کے سفر نامہ "نظر نامہ" میں ہمیں مختلف معاشروں، تہذیبوں اور ثقافتی عناصر سے آگاہی ہوتی ہے۔ یہ کہنا مناسب ہو گا کہ ہندوستان کی زندگی کی عکاسی بہت ادیبانہ انداز میں کی گئی ہے۔ ان کے اسلوب کی چاشنی، واقعات اور ماحول کو خوب صورت بنا دیتی ہے۔ ان کا انداز سراسر رومانوی و افسانوی ہے۔ انھوں نے سفر نامے کو دل چسپ بنانے کے لیے عمدہ کام لیا ہے۔ بالخصوص اٹلی کے شہر وینس، مکانوں، گلیوں میں بہتی ہوئی نہروں، مہیب تاریکی میں ملگجاتی و ٹمٹماتی ہوئی روشنیاں منظر کو حسین تر بنا دیتی ہیں۔ ان کے رومانوی طرز فکر و اظہار کی وجہ سے سفر نامہ بہت دل چسپ، دل کش اور لطیف حسن و جمال لیے ہوئے ہے۔ وہ جابجا تشبیہات و استعارات سے کام لیتے ہیں۔ اسی طرح جزئیات نگاری میں بھی انھوں نے مناظر کو جس خوب صورتی سے بیان کیا ہے اس کی مثال سفر ناموں میں کم کم دکھائی دیتی ہے۔

ان کے ہاں ناسٹلجیا بھی ہے اور ماضی پسندی کی کسک بھی ہے۔ انھوں نے سیاحت اور تاریخی شعور کو تخیل کی مدد سے اس طرح سے ہم آہنگ کیا ہے کہ سفر نامہ ایک قیمتی ادبی ورثہ کے طور پر تاریخ کا حصہ بن گیا ہے۔ دریائے نیل کا منظر جس خوب صورتی سے پیش کیا گیا ہے کہ منظر کی تصویر قاری کے سامنے گھومنے لگتی ہے۔ اسی طرح دیار غیر میں وطن کی یاد انھیں بہت بے قرار رکھتی ہے۔ وہ اپنے ملک اور شہر کی پر ہجوم گلیوں، بارونق بازاروں کے ساتھ ساتھ اپنے دیس کے باغوں، پیڑوں، شگوفوں اور پھلوں سے لدھے ہوئے درختوں کو شدت سے یاد کرتے ہیں۔ یہاں ان کے تخیل کی بازگشت الفاظ کے روپ میں ڈھل جاتی ہے اور ان کا رومانوی و افسانوی طرز احساس ابھر کر سامنے آجاتا ہے۔

انھوں نے رومی تہذیب کا عہد باعہد جائزہ لیا ہے اور ایسے مناظر کی عکاسی کی ہے کہ انسان حیرت و مسرت سے سرشار ہو جاتا ہے اور وہ اس منظر میں کھو جاتا ہے۔ مصر کی کنیزوں کا حال بیان کرتے ہوئے ان کا فن تخیل کی بلندی پر دکھائی دیتا ہے۔ الغرض ان کے ہاں مشاہدات و محسوسات کا بیانیہ، مناظر فطرت کا بیان، انسانی جذبات و احساسات کا اظہار ظاہری سفر کے ساتھ ساتھ باطنی سفر کا تذکرہ انھیں اہم ترین سفر نامہ نگاروں کی صف میں لا کھڑا کرتا ہے۔ محمود نظامی نے سفر

نامے میں افسانوی اسلوب، واقعات نگاری اور تاریخ نگاری کا سہارا لے کر سفر نامے کو امر کر دیا ہے اور یہ اردو ادب میں نمایاں تاریخ کا حامل قرار پا چکا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ جمیل زبیری، موسموں کا عکس، کراچی: بختیاری اکیڈمی، ۱۹۸۴ء، ص:۹

۲۔ صلاح الدین احمد، اردو میں افسانوی ادب، لاہور: المقبول پبلشرز، ۱۹۶۹ء، ص:۱۳۲

۳۔ نظر نامہ، محمود نظامی، لاہور: گوشہ ادب، بار دوم، ۱۹۶۳ء، ص:۹

۴۔ ایضاً، ص:۹۴

۵۔ ایضاً، ص:۱۰۳

۶۔ ایضاً، ص:۱۱۱

۷۔ ایضاً، ص:

۸۔ ایضاً، ص:۴۱۔۴۲

۹۔ ایضاً، ص:۹۴

۱۰۔ ایضاً، ص:۱۵۲

۱۱۔ ایضاً، ص:۱۳۲۔۱۳۳

۱۲۔ ایضاً، ص:۱۳۰۔۱۳۱

۱۳۔ ایضاً، ص:۱۰۸۔۱۰۹

۱۴۔ ایضاً، ص:۱۴۷

۱۵۔ ایضاً، ص:۸۵۔۸۶

۱۷۔ ایضاً، ص:۶۴

۱۸۔ ایضاً، ص:۳۲۔۳۳

۱۹۔ ایضاً، ص:۱۰۷

۲۰۔ ایضاً، ص:۲۷۴

۲۱۔ ایضاً، ص:۲۷۶

۲۲۔ ایضاً، ص:۲۷۷